قطعاتِ وفاتِ شعرائے اردو

قسط نمبر ۲

عبدالرؤف خاں - اودئی کلاں (راج) ۳۲۲۲۰۱

حکیم مومن خاں مومن :- مومن ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حکیم غلام نبی خاں تھا۔ گھر والوں نے ان کا نام حبیب اللہ تجویز کیا لیکن رئیس المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے محمد مومن خاں نام رکھا اور اسی نام سے شہرت پائی اور تخلص بھی اسی اعتبار سے اختیار کیا۔ مومن نے ہمہ گیر طبیعت پائی تھی چنانچہ مختلف علوم و فنون میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) میں اپنے کوٹھے سے گرے۔ گرتے ہی ہاتھ اور بازو کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ خود ہی تاریخ کہی۔

"دست و بازو بشکست" ۱۲۶۸ھ

بہت علاج کرایا مگر کارگر نہ ہو سکا۔ زائچہ دیکھ کر کہا یا کہ پانچ ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکوں گا۔ چنانچہ مذکورہ مادہ ہی وفات کی تاریخ بھی ہوئی۔ اور آسمانِ شاعری کا یہ روشن و درخشاں ستارہ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء کو ڈوب گیا۔ کسی شاگرد نے مادۂ مذکورہ کو تضمین کیا۔

مومن فتاد از بام گفتم چہ رفت گفتا | خود باخردش گفتم بشکست دست و بازو
گفتم کہ بایدت گفت تاریخ ایں مصیبت | گفتا خموش گفتم "بشکست دست و بازو"[1] ۱۲۶۸ھ

---

[1] الواح الصنادید ۱/۲۰۶ مولفہ عطاء الرحمٰن قاسمی شاہ ولی اللہ اکیڈمی، نئی دہلی ۱۹۸۹ء

مرزا قادر بخش صابرؔ نے جو مومنؔ سے تعلق خاطر رکھتے تھے اپنی فکر رسا سے یہ تاریخ حاصل کی:

برلب کوثر و تسنیم برفت　　　تشنۂ جام محبت مومنؔ

گفت تاریخ وفاتش صابرؔ

"یافت مقبولیِ جنت مومنؔ"[۳] ۱۲۶۸ھ

اجودھیا پرشاد صبرؔ نے "ماتم مومن خاں" (۱۲۶۸ھ) اور محمد شارب علی صادقؔ نے "مومن آباد کرد خلد بریں"[۴] (۱۲۶۸ھ) مادے برآمد کیے جو نہایت بہتر ہیں۔ قربان علی بیگ سالکؔ نے عارفؔ و تسکینؔ و مومنؔ کی وفات پر صنعتِ تجمع بین الاتفاق قطعہ کہا:۔

برس دن میں مرے یہ تین شاعر　　　کہ جو تھے حضرتِ دہلی کے ساکن

نہ ہاتھ آئی کوئی تاریخ رحلت　　　رہی فکر اس کی سالکؔ کو بہت دن

کہا دل نے کہ داخل ہو گئے سب

"ارم میں عارفؔ و تسکینؔ و مومنؔ"[ع] ۱۲۶۸ھ

یعنی "ارم + عارف + تسکین + مومن" (۱۲۶۸ھ) حرفِ ربط "میں" اور واو عاطفہ شامل مادہ نہیں ہیں۔ عبدالغفور نساخؔ کے قطعہ کا تاریخی بیت ہے:۔

نساخؔ فکر سالِ تاریخ میں نہ رہ تو　　　کہہ "ہائے ہائے مومنؔ کیا خوب آدمی تھا"[۵] ۱۲۶۸ھ

۳۔ گلستانِ سخن از مرزا قادر بخش صابر ص ۴۳۹، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء

۴۔ بروقت حوالہ نوٹ نہ کر سکنے کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

۵۔ تاریخ لطیف ص ۵۵۔　　ع۔ یعنی زین العابدین خاں عارفؔ اور میر حسین تسکینؔ۔

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ : ذوقؔ ۱۲۰۳ھ یا ۱۲۰۴ھ میں کابلی دروازے قدیم دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ محمد رمضان تھا۔ شاعری میں شاہ نصیرؔ کے شاگرد تھے۔ لیکن بعد میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے۔ آگے چل کر بہادر شاہ ظفرؔ بادشاہ دہلی کے استاد ہوئے۔ خاقانیٔ ہند خطاب تھا۔ یہ طوطیٔ ہند ۲۳ رماہ صفر ۱۲۷۱ھ / ۱۵ر اکتوبر ۱۸۵۴ء میں انتقال فرما گئے۔ مرتے دم درج ذیل شعر وردِ زبان تھا:

کہتے ہیں آج ذوقؔ جہاں سے گزر گیا کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

بہادر شاہ ظفرؔ نے تاریخ کہی:

طوطیٔ ہند حضرتِ استادِ ذوقؔ نے لی گلشنِ جہاں سے جو باغِ جناں کی راہ
سالِ وفات جو کوئی پوچھے تو اے ظفرؔ
کہہ ذوقؔ جنتی زسرِ بخششِ الٰہ ۱۲۷۱ھ

ظفرؔ نے مصرع مادہ ہی میں دو عدد کا نہایت ہنرمندی سے بہترین تدخلہ کیا ہے جو اردو میں بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ دوسرا قطعہ فارسی زبان میں کہا، جس میں روز و ماہ کی اطلاع بھی دی گئی ہے:۔

شب چہارشنبہ بہ ماہِ صفر بحکم خداوندی جاں داد ذوقؔ
ظفرؔ روے اردو بہ ناخن زغم
خراشید و فرمود "استادِ ذوقؔ" ۱۲۷۲-۱ = ۱۲۷۱ھ

مصرع اولیٰ میں ایک عدد کا تخرجہ ہے جسے سمجھنا دشوار نہیں۔

منشی اسماعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی نے اِس خاقانیٔ ہند کی رحلت پر درج ذیل قطعۂ تاریخ

۶ واقعات دارالحکومت دہلی ۲: ۵۴۳
۷ گلستانِ سخن ص ۲۲۱ تا ۲۳۱۔

کہہ کر اپنا نذرانہ پیش کیا :۔

رحلتِ ذوقِ سخن پیرا سے ہے بلند آہ و فغاں دہلی میں
واقعی شاعرِ خوش گو تھا وہ روئے ہیں پیر و جواں دہلی میں
نظم کی میں نے یہ تاریخ منیر
"نہ رہا ذوقِ زباں دہلی میں" ۱۲۷۱ھ

مادہ سالم الاعداد اور ذو معنی ہونے کے سبب بہت پرلطف ہو گیا ہے۔

ڈپٹی عبدالغفور نساخ نے، جنہیں تاریخ گوئی میں مہارتِ تامہ حاصل تھی، یہ تاریخ کہی:۔

کی قضا ذوق نے افسوس ہے ہے مرگ کا اوس کے جہاں کو غم بجا ہے
سال کا نساخ نے مصرع یہ لکھا
"انتقالِ شاعرِ کامل ہوا ہے" ۱۲۷۱ھ

مولوی عبدالکریم سوز ابن صہبائی نے ذوق کی رحلت پر تاریخی عنوان "واقعہ تعب خیز" (۱۲۷۱) کے تحت ۲۴۹ اشعار پر مشتمل ایک طویل مرثیہ لکھا جس میں اکتالیس تاریخیں ہیں۔ اُن میں سے صرف چند پیش ہیں :۔

صبحدم نکلا میں اپنے گھر سے با آہ و فغاں ذوق کے مرنے کا جب مشہور افسانہ ہوا
آج وہ دن ہے کہ ہر جا نالہائے زار سے حشر سے پہلے ہی اب اک حشر ہے برپا ہوا
جب گیا اس جا سے وہ پیشِ خدائے لایزال اوس نے فرمایا "یہ ہے کانِ ہنر بخشا ہوا" ۱۲۷۱ھ
ہاتھ مل مل کر یہ کہتا تھا فرشتہ موت کا "جاں تو لی اس کی اجل نے اور میں رسوا ہوا" ۱۲۷۱ھ

۸؎ ماہنامہ نیا دور لکھنؤ جولائی ۱۹۹۲ء ص ۴-۳۳

۹؎ سخنِ شعرا از نساخ ص ۱۶۶، اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۲ء

اور اجل کہتی تھی حسرت سے یہ شرمائی ہوئی — "مجھسے ایسا آدمی افسوس کیوں کشتا ہوا" ۱۲۷۱ھ

نوحہ گر تاریخ میں اوسکے ہوئے یوں آشنا — "مرگئے سب دوست گویا اوسکا مرنا کیا ہوا" ۱۲۷۱ھ

کھولکر آنکھیں کہا نرگس نے ہر سو دیکھ کر — "حیف گویا نورِ چشم آنکھوں سے پوشیدا ہوا" ۱۲۷۱ھ

ہاتفِ میخانہ بولا جب سنا یہ ماجرا — "آہ میخانہ پڑا ہے اوسکے بن اجڑا ہوا" ۱۲۷۱ھ

اوسکے شاگردوں پہ جب یہ ماجرا ظاہر ہوا — شعر یہ تاریخ میں سب کی زباں سے وا ہوا

"کون فرمائے گا ہم پر مہربانی اس طرح" ۱۲۷۱

"تھا عجب استاد وہ یکبار نا پیدا ہوا"[1] ۱۲۷۱

ذوق کی وفات پر دو قطعات غالب نے کہے جنہیں اُن کے دیوانِ فارسی میں دیکھا جاسکتا ہے

وحشت :۔ مولانا حافظ رشید النبی، تخلص وحشت فاروقی مجددی رامپور میں پیدا ہوئے مسکن کلکتہ، ہگلی میں، دارالافتاء کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ عربی، فارسی و اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ۱۲۷۴ھ میں عین عالم شباب میں رحلت کی۔ مولوی عبدالغفور نساخ نے جو کہ مولانائے مرحوم کے شاگرد تھے۔ تاریخیں موزوں کیں :۔

مرگئے حیف حضرتِ وحشت — یا خدا ہوں وہ داخل جنت

گوہرِ درجِ علم و فضل تھے وہ — نیّرِ برجِ علم و فضل تھے وہ

عالم باعمل تھے اور کامل — علم میں بے بدل بڑے فاضل

قاضیِ شرع حافظِ قرآں — تھے وہ بے شبہ صاحبِ عرفاں

جب کہ اوستاد کا وصال ہوا — مجھکو تاریخ کا خیال ہوا

یہ ندا دی سروش نے ناگاہ

"مرگئے[2] آہ ایسے فاضل آہ" ۱۲۷۴ھ

---

[1] گلستانِ سخن ص ص ۲۲۱ تا ۲۳۱ [2] سخنِ شعراء ص ۵۴

مذکورہ قطعہ سے مولانا کے سوانح وسیرت پر بھی وافر معلومات ملتی ہیں۔ باقی دو قطعات "سخن شعرا" میں تو جہ وحشت کے تحت ملاحظہ ہوں۔

قبولؔ :۔ مرزا مہدی علی خاں لکھنوی المتخلص بہ قبولؔ، خطاب مقبول الدولہ مصاحب واجد علی شاہ بادشاہِ اودھ (لکھنؤ) واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتہ گئے تھے واپس آکر ۱۲۷۶ھ میں لکھنؤ میں فوت ہوئے۔ نساخ نے تاریخ کہی :۔

میرزا مہدی علی خاں مرگئے افسوس		دوستوں کو کرگئے مغموم و محزون و ملول
مصرعِ تاریخ نساخ حزیں نے یہ کہا		" وائے ہے ہے مرگیا مہدی علی خاں قبولؔ" ۱۲۷۶ھ[۱۲]

ہلالؔ :۔ امیر علی خاں نام، ہلالؔ تخلص، باشندۂ لکھنؤ، شاگرد رشکؔ۔ ۱۲۷۸ھ میں وفات پائی۔ مندرجہ ذیل شعر انہی کا ہے :۔

بحرِ دنیا میں ہیں یکساں مجھے موج و ساحل		آشناؤں میں محبت ہے نہ بیگانوں میں

شاہ غلام حیدر صغیر لکھنوی نے صنعتِ مراتب وسرو پا میں ندرت کے ساتھ تاریخ کہی جو فارسی میں ہے :

افسوس ہلالؔ ازیں جہاں رفت		دل درغم او پُر اضطراب است
شیریں سخنے بشاعراں بود		دیوان کہ از وست خوش کتاب است
جستیم چو اے صغیرؔ تاریخ		دل گفت حیات چوں حباب است
بنویس در حرف از سرو پا		باقی زحباب غرقِ آب است
اعدادِ حروف چوں نوشتم		یک یک کم شد ہمیں حساب است[۱۳]

[۱۲] حوالۂ ماقبل ص ۳۸۲
[۱۳] تاریخِ لطیف ص ۶۰

یعنی افسوس کہ ہلال اس جہان سے چلا گیا، اس کے غم میں دل پر اضطراب ہو گیا ہے۔ وہ
عروں میں شیریں سخن تھا اور اس کا دیوان عمدہ دیوان ہے۔ اے صغیر میں نے جب اس کی رحلت
تاریخ تلاش کی تو دل نے کہا کہ حیات حباب کی مانند ہے (تو اس کے نام امیر علی) کے سر و پا
رؤ ... دو حرف لکھ (یعنی امیر: "ا" نیز علی: "ع ی") اور باقی کو حباب کی مثل غرق
کر دے۔ اب ان (سر و پا) حروف کو جب میں نے (الف، مات اور عشرات کے مرتبہ پر لکھا
ر پھر ان کے حساب میں سے ایک ایک یعنی دو عدد کم کر دیئے تو مطلوبہ سال حاصل ہو گیا۔
ب حل ملاحظہ فرمائیں:۔

الف بمعنی ہزار چنانچہ ا/۱۰۰۰ + ر/۲۰۰ + ع/۷۰ + ی/۱۰ = ۱۲۸۰ نیز مصرعۂ آخر کی رؤ سے دو عدد کے
منہا کا واضح قرینہ موجود ہے اس لئے ۱۲۸۰ = ۱۲۷۸ھ۔ مادہ میں اکائی کے درجہ میں
ئی حرف نہیں ہے۔

غالب کی تاریخہائے وفات ۱۲۸۵ھ پر ہم ایک علاحدہ مضمون سپردِ قلم کر چکے ہیں بہرحال
ن زد مادۂ وفات ہے "آہ غالب بمرد" ۱۲۸۵ھ

سرور:۔ فسانۂ عجائب کے مصنف مرزا رجب علی بیگ سرور کی شخصیت سے اردو دنیا
ں کون ہے جو واقف نہیں۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور رام نگر (بنارس) میں انتقال کیا۔
س جس طرح ان کا سالِ ولادت قیاساً ۱۲۰۰ھ بتلایا جاتا ہے، اسی طرح ان کی رحلت کے سنہ
ں بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی کے قطعہ کے مادہ: "ہائے
مد الم ورفت سرور" سے ۱۲۸۴ھ ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن "آمد" میں الف ممدودہ کے دو عدد
رکریں تو ۱۲۸۵ھ۔ ڈاکٹر نیر مسعود کا کہنا ہے کہ "سرور نے محرم ۱۲۸۶ھ میں ۴ اپریل اور ۱۴
ئی ۱۸۶۹ء کے درمیان کسی تاریخ کو انتقال کیا"[۱۲] چنانچہ سید محمد علی جویا کا قطعہ ذیل
ش ہے:

---

۱ رجب علی بیگ سرور ص ۴۰۰۔

جس کو فسانہ گوئی کا انداز یاد تھا وہ آج سب کے پاس سے دور آج چل دیا

آخر سنا زبان سے ہاتف کی بہر سال

"افسوس غمکدہ سے سرور آج چل دیا[15] ۱۸۶۴ + ۵ = ۱۸۶۹ء

جویا نے ایک دوسرے قطعے کے مادہ: "کز بزم جہاں سرور رفتہ[16]" سے بھی ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) ہی برآمد کیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر حنیف نقوی اور رشید حسن خاں صاحب سرور کا سالِ وفات ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ احسان علی خاں کے نثری فقرہ (مادہ) "فوت میرزا سرورِ حزیں[17]" سے ۱۲۸۵ھ شاہ غلام یحییٰ عظیم آبادی کے قطعہ کے مادے: "بردہ سردرازدل وجانم سرو[18]" (۱۲۸۵ھ) سے ظاہر ہے۔ بہر کیف ہمیں صرف قطعہ لکھنا تھا، یہاں درست سالِ وفات سے کوئی سروکار نہیں۔ جویا نے ممکن ہے چند یوم کے تفاوت سے قطعات لکھے ہوں۔

گرم:۔ محمد مظفر خاں گرم رامپور میں پیدا ہوئے۔ ذوق سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ اواخر عمر میں جے پور چلے آئے تھے۔ وہاں ساٹھ برس کی عمر میں ۱۰ رجمادی الآخر ۱۲۸۵ھ[19] میں انتقال ہوا اور جے پور ہی میں دفن ہوئے۔ سید محمد علی جویا بھی اس زمانہ میں جے پور ہی میں تھے یعنی ۱۸۶۲ء میں جے پور آئے تھے مگر گرم کی وفات کے مادے ۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء کے برآمد کیے ہیں:۔

گیا جنت کو جب وہ شاعر افسوس کہوں کیا غم ہوا عالم کو از حد

کہا ہاتف نے بہر سال جویا

ہوئے جاں مظفر خان احمد[20] ۱۸۷۰ء

---

[15] خیابانِ تاریخ ص ۴۸ [16] ایضاً ص ۴۶

[17] رجب علی بیگ سرور چند تحقیقی مباحث از ڈاکٹر حنیف نقوی ص ۲۱ بحوالہ تاریخ بنارس ۳ : ۲۷۱

[18] کنز تواریخ ص ۳۲ [19] دیکھئے تذکرہ کاملانِ رامپور مولفہ حافظ احمد علی خاں شوق (م ۱۹۳۳ء) ص ۳-۲۹۲ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ ۱۹۸۶ء نیز انتخاب یادگار از امیر مینائی ص ۱۹-۳۱۸، ناشر اتر پردیش اردو اکاڈمی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء۔

مادہ "مظفر خان احمد" ہے جس کی کل قیمت ۱۹۲۴ ہوتی ہے اس میں سے "بے جان" کہتے ہوئے "جان کے (۵۴) عدد خارج کر کے مطلوبہ سنہ ۱۸۷۰ء حاصل کیا ہے۔ دوسرا قطعہ ہے:۔

"گر تم کو پلٹنا فلک نے قدر سے ہے" کہہ زبان سے اپنی جویا سال فوت ۱۲۸۶ھ

حافظ شیراز کا ارشاد ہے

"سخن باید کرامت فال موت" ۱۲۸۶ھ

مصرعۂ اول بھی تاریخی ہے جس کے کل عدد ۱۲۸۳ھ ہوتے ہیں۔ ان میں "جویا" کی جیم کے تین عدد شامل کر کے ۱۲۸۶ھ حاصل کیا۔

شیفتہ:۔ نواب مصطفٰی خاں دہلوی رئیس جہانگیر آباد ۱۸۰۶ء/۱۲۲۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اردو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص تھا۔ ۱۸۶۹ء/۱۲۸۶ھ میں وفات پائی کسی نے صنعتِ بے سرو پا میں نہایت عمدہ قطعۂ وفات کہا:۔

چو رفت از جہاں مصطفٰی خاں امیر کہ بود اصل پاکیزہ و پاک فرع

خداوندِ تقویٰ خداوندِ زہد فقیر آشنا سالک راہ شرع

شد از فوت آں بے سرو پا تمام

وفا و کرم، بذل و تقویٰ، ورع ۱۲۸۶ھ

منی ف + ر + ذ + ق و + ر = ۱۲۸۶ھ۔ دوسری تاریخ سجع میں ہے جو تعریف سے بے نیاز ہے:

چوں رئیس ابن رئیس نامدار کرد رحلت زیں جہانِ بے بقا

حالِ تاریخِ وفاتش فی البدیہہ ملہم غیبی بمن کردہ عطا

ء خیابانِ تاریخ ص ص ۸۱ و ۸۲۔

۱؎ واقعاتِ دار الحکومت دہلی ۲: ۳۴۴۔

کز سر زاری بباید گفت ایں [۲۳]

"رحمت حق بر محمد مصطفےٰ" ۱۲۷۹ = ۱۲۸۶ھ

انیس :- مشہور و معروف مرثیہ گو میر ببر علی انیس کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، ان کا انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ / ۹ دسمبر ۱۸۷۴ء روز چہار شنبہ کو شام کے قریب لکھنؤ میں ہوا۔ بہت سے شعراء نے تاریخیں کہیں لیکن یہاں ہم صرف سید حسن لطافت خلف سید آغا حسن امانت کا تاریخی مرثیہ پیش کرتے ہیں، جس میں پیچیدگی ضرور ہے مگر لطف سے خالی نہیں۔ پھر وقت و روز و ماہ و تاریخ اور عیسوی و ہجری سنین بصراحت موجود ہیں :-

جو میر ببر علی تھے انیس ذاکر شاہ ۔۔۔ وحید دہر سب اہل جہاں کے راس و رئیس

فصیح و کامل و حسان وقت و دعبل دہر ۔۔۔ جناں میں جا کے ہوئے ساتھ حور عین کے جلیس

قریب شام ہوئے وہ مہ کمال تمام ۔۔۔ اخیر چاند تھا گذرے تھے آہ دن اونتیس

سنا یہ واقعہ جانکاہ جب کہی تاریخ ۔۔۔ کہ جس میں لفظ ہیں آئے مناسب اور سلیس

بیان مصرع آخر کے اب صنائع ہوں ۔۔۔ بہ فکر سمجھیں لطافت جسے حساب نویس

شروع مصرع تاریخ جو کہ ہیں دو حرف ۔۔۔ مہینہ ایک ہے اور دوسرا ہے روز خمیس [ع]

سنین بھی ہیں عیاں اوس سے عیسوی ہجری ۔۔۔ جو بینات و زُبُر ہوں رقم بطور نفیس

وہ مرثیہ نہ وہ پڑھنا نہ وہ بڑے مجمع ۔۔۔ اور اس مجلس ماتم ہے سامعین دین ہیں

عجیب مصرع تاریخ ہے ملا "یکتا"

"یہ ہے بخشش کا ہے نوحہ انیس ہائے انیس" [۲۴]

(باقی ص ۳۲ پر)

[۲۳] ایضاً ص ۴۲-۳۳۴ [۲۴] ریاض لطافت ص ۳۶۳ مطبع شوکت جعفری لکھنؤ ۱۳۰۶ھ -

ع خمیس بمعنی پنجشنبہ یعنی جمعرات لیکن از روئے تقویم ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ کو بدھ تھا۔ ملاحظہ ہو تقویم ہجری و عیسوی مرتبہ ابوالنصر محمد خالدی ص ۶۵ انجمن ترقی اردو ہند دہلی مارچ ۱۹۷۷ء۔